مجلس تحقیقات شرعیہ کا علمی منہج

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(بانی صدر مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء)

مولانا محمد تقی امینیؒ

(ناظم اول مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء)

ناشر

مجلس تحقیقات شرعیہ

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب	:	مجلس تحقیقات شرعیہ کا علمی منہج
صفحات	:	۳۲
سن اشاعت	:	ستمبر ۲۰۲۰ء
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	۳۰/ روپئے

ناشـــــر

مجلس تحقیقات شرعیہ

ندوۃ العلماء، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

ملنے کے پتے:

۱- مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، احاطہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، فون: 0522.2741439

۲- مکتبہ ندویہ، احاطہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، فون: 8960997707

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم
(ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمدلله و کفی و سلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد!

اسلامی فقہ، دین اسلامی کے جامع شریعت ہونے کی ضمانت کا کام انجام دیتی ہے، کہ مسلمانوں کو ان کے رب کی طرف سے وہ دین ملا جو جامع اور کامل ہے، قرآن مجید اور سنت نبوی سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت انسان کی بنائی ہوئی شریعت سے بالکل علاحدہ ہے، اور آسمانی شریعت ہے، جو اللہ تعالی کی نازل کردہ کتاب اور رب العالمین کے خصوصی تربیت یافتہ انسانی فرد کے عمل کی تصدیق شدہ عمل ہے، اس کی روشنی میں جو بھی عمل ہوگا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے پوری طرح تابع ہوتے ہوئے ہو۔

موجودہ تمدنی اور بدلتے ہوئے حالات زندگی میں نئے نئے مسائل سامنے آتے رہتے ہیں، ان کو حل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً گرمی کے موقع پر برطانیہ کے ایک شہر جانا ہوا، معلوم ہوا کہ مغرب کے بعد کی سرخی اور فجر کی سرخی ایک دوسرے سے مل گئے ہیں، جس کے لئے وہاں موجود علماء غور وفکر کر رہے ہیں، اور تین حصوں میں بٹ گئے ہیں، اس طرح کے اور بھی واقعات پیش آتے رہے ہیں، جن کی وضاحت اور تشریح کی ضرورت سامنے آتی رہی ہے، اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے ندوۃ العلماء نے یہ ادارہ قائم کیا، اور اس کا نام ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' تجویز ہوا، اس کے علمی منہج پر اس کی پہلی مجلس میں دو اہم مضمون پیش ہوئے، یہ دونوں بڑے فکر انگیز اور رہنما مضامین ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی سرپرستی میں یہ کام شروع ہوا، جو اس کے بانی اور ندوۃ العلماء کے ناظم تھے، ایک ان کا مقالہ ہے اور دوسرا مقالہ ادارہ کے ناظم اول مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، ان دونوں مقالات کو ادارہ کے موجودہ ناظم (سکریٹری) مولانا عتیق احمد بستوی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) اپنے پیش لفظ کے ساتھ ادارہ سے شائع کر رہے ہیں، جس میں اس کا پس منظر اور اہمیت وافادیت کو اچھے انداز میں واضح کر دیا گیا ہے، اللہ تعالی زیادہ سے زیادہ مفید بنائے اور قبول فرمائے آمین۔

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۴/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ

پیش لفظ

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بانی اور پہلے صدر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تھے اور اس کے ناظم اول حضرت مولانا محمد تقی امینیؒ تھے، زیر اشاعت رسالہ ''**مجلس تحقیقات شرعیہ کا علمی منہج**'' میں مذکورہ دونوں بزرگوں کے بڑے فکر انگیز مقالے پیش کئے جارہے ہیں، یہ مقالات ان دونوں حضرات نے مجلس تحقیقات شرعیہ کے پہلے اجلاس میں ملک کے منتخب ترین علماء اور اصحاب افتاء کے سامنے پیش فرمائے، جو نظر تحسین سے دیکھے گئے، ان دونوں مقالات کو ہم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کی علمی و فکری اساس قرار دے سکتے ہیں، دونوں بزرگوں نے بڑی بلند نظری، دقیقہ رسی اور دور اندیشی کے ساتھ حالات کا تجزیہ پیش کیا، اور نئے پیش آمدہ مسائل پر اجتماعی غور وفکر کی ضرورت واہمیت اور طریقۂ کار پر بھرپور روشنی ڈالی، اور ایسی بنیادیں فراہم کردیں جن پر قائم رہتے ہوئے تحقیق واجتہاد کے اس عمل کو بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دیا جاسکتا ہے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کے احیاء نو کے فیصلے کے بعد جب مجلس کے ریکارڈ کو کھنگالا گیا اور مجلس سے متعلق مقالات ومضامین اور تحریروں کو یکجا کیا گیا تو یہ دونوں قیمتی مقالے سامنے آئے، ان کا مطالعہ کرکے اس بات کا داعیہ پیدا ہوا کہ ان دونوں قیمتی مقالات کو کتابی صورت میں شائع کردیا جائے، مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے مقاصد اور اس کے طریقۂ کار کا تعارف کرانے میں یہ دونوں مقالے بہترین رول ادا کرسکتے ہیں، یہ دونوں مقالات مجلس کے علمی منہج کو بہت واضح طور پر بیان کرتے ہیں، اسی معنویت کی پیش نظر اس رسالہ کا نام ''**مجلس تحقیقات شرعیہ کا علمی منہج**'' رکھا گیا ہے۔

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ اور پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ کی قدیم فائلوں سے ان دونوں

گرانقدر مقالوں کی دریافت نیز کمپوزنگ کے بعد اس کی ترتیب وتنقیح کی خدمت عزیز گرامی مولانا منور سلطان ندوی (رفیق مجلس تحقیقات شرعیہ) نے انجام دی، اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس رسالہ کو اہل علم کے درمیان مقبول اور مفید بنائے۔

عتیق احمد بستوی
سکریٹری مجلس تحقیقات شرعیہ
واستاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ
۲۲/ جولائی ۲۰۲۰ء

مسلم ممالک میں پرسنل لا اور جدید تمدن کے پیدا کئے ہوئے قابل غور مسائل

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

حضرات علماء کرام ومندوبین محترم!

اس وقت جبکہ ہم جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل اور خاص کر اس مسلم پرسنل لا پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں جو برطانوی عہد سے لے کر اس وقت تک ہندوستان میں رائج ہے اور جس پر ایک طویل مدت سے عمل کیا جارہا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم دوسرے مسلم ممالک میں اس قانون کی صورت حال، اس پر عمل درآمد کی کیفیت، اس کے ارتقاء وتغیرات پر بھی نظر ڈال لیں اور ان تبدیلیوں اور ترمیمات کا بھی تاریخی جائزہ لیں جو مختلف صحیح وغلط محرکات ومقاصد اور حکومتوں کے صحیح وغلط رجحان اور دباؤ کے ماتحت اس نصف صدی کی مدت میں پیش آتے رہے ہیں، یہ مسئلہ اس لئے بھی اہم اور ضروری ہوگیا ہے کہ مسلم پرسنل لا کی تشکیل جدید یا ترمیم واصلاح کے سلسلہ میں ان مسلم ممالک کا بہ کثرت حوالہ دیا گیا ہے۔

آپ جیسے حضرات اہل علم واہل فکر کی موجودگی میں اس بات کا اظہار اور اس کی تفصیل قطعاً غیر ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلامی قانون اسلامی اقتدار کے عہد میں ان دو شعبوں میں منقسم نہیں تھا جن میں وہ مغربی اثر واقتدار کے زمانے میں منقسم ہوگیا ہے۔ یعنی ''سول لا'' اور ''پرسنل لا''، اور مسلمان عرب ممالک کی اصطلاح میں ''قضاء مدنی'' اور ''قضاء شرعی''۔

پہلے اسلامی قانون اور اسلامی ممالک کا نظام قضاء ایک وحدت اور جزء لایتجزی تھا، جن کا مآخذ کتاب وسنت اور فقہ کا ذخیرہ تھا، جس کو اجمالی طور پر شریعت اسلامی کے لفظ

سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تیرہویں صدی ہجری میں جب سلطنت عثمانی میں اضمحلال پیدا ہوا اور بڑھتے ہوئے مغربی نفوذ کے سامنے اس نے بھی ہتھیار ڈالنے شروع کئے تو قضا کو ان دو شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا، پرسنل لا کو ''الأحوال الشخصية'' کا نام دیا گیا، سول لا کے لئے بھی ۱۲۸۶ھ میں ایک مرتب قانون تعزیرات ہند کی طرح مرتب کیا گیا، اس قانون میں علیٰحدہ علیٰحدہ دفعات کی شکل میں قانون کو پیش کیا گیا تھا، اس میں ۱۸۵۱ دفعات ہیں اور وہ فقہ حنفی کی کتابوں کے معاملات کے حصے سے ماخوذ اور اس پر مبنی ہیں، یہ ''قانون'' عام کتب فقہ کی طرح ''کتابوں'' اور ''ابواب فقہی'' پر منقسم ہے، لیکن احکام کی تفصیل نمبر وار دفعات میں کی گئی ہے، جیسا کہ جدید قوانین اور کوڈ (Codes) میں نظر آتا ہے، اس ''قانون'' میں بعض وقتی مصالح اور زمانے کے بدلے ہوئے تقاضوں کی بنا پر ان بعض اقوال کو اختیار کیا گیا ہے جو فقہ حنفی میں مرجوح قرار دئے گئے ہیں، اس مجموعے میں ۱۶ ''کتابیں'' ہیں۔ ہر کتاب کے تحت میں ابواب ہیں اور ہر باب کے تحت میں فصول، قانون کی ابتدا کتاب البیوع سے ہوتی ہے اور تکمیل کتاب القضاء پر، اس مجموعے کی ابتدا ایک وضاحتی نوٹ سے ہوتی ہے جس کا عنوان ہے ''لائحة الأسباب الموجبة'' گویا اس میں اس قانونی اقدام کے محرکات وموجبات اور اس کا پس منظر بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد ایک تفصیلی مقدمہ ہے جو دو مقالات پر مشتمل ہے، مقالۂ اولیٰ فقہ کی تعریف وتقسیم پر ہے، مقالۂ ثانیہ میں وہ قواعد کلی بیان کئے گئے ہیں جن میں سے ہر قاعدہ ایک مستقل بالذات فقہی اصل ہے، جس سے بہت سے فقہی احکام متفرع ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں مرتبین قانون نے ۹۹ قواعد کلی بیان کئے ہیں، ان قواعد کا اندازہ کرنے کے لئے دو قواعد کی مثال پیش کی جاسکتی ہے، ایک جو پہلے قاعدہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے ''الأمور بمقاصدها'' دوسرا جو آخری ہے ''من سعى فى نقض ماتم من جهته سعيه مردود عليه''۔

شعبان ۱۲۹۳ھ کو ایک فرمان سلطانی کے ذریعے اس قانون کا اعلان کیا گیا اور پوری

دولت عثمانیہ کی عدالتوں میں اس پر عمل کرنا اور اس کے مطابق فیصلے صادر کرنا ضروری قرار دیا گیا، اس طرح یہ پوری وسیع سلطنت عثمانیہ کا عدالتی قانون بن گیا، اور چونکہ فرمان سلطانی سے اس کا نفاذ ہوا تھا اس لئے اس کے مخالف جو آراء اور فتاوی کتب فقہیہ میں درج تھے وہ قابل عمل نہیں رہے، اس مجموعے کی خصوصیت، حسن ترتیب، نمبر شمار، وضاحت وعبارت کی سہولت کے علاوہ یہ تھی کہ اس میں ہر مسئلے میں ایک ہی قول پر اکتفا کیا گیا تھا اور فقہاء کے ان اختلاف اور فقہی اقوال کو جو قدیم متون اور شروح کی خصوصیت ہیں، نظر انداز کر دیا گیا تھا لیکن اس مجموعے کی شروح میں ان اختلافات اور فقہی اقوال کو جگہ دی گئی، اس کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا کہ ہر مسئلہ کو اس کی اس جگہ پر درج کیا جائے جہاں اس زمانہ میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور جہاں عصر جدید کا آدمی اس کو تلاش کرے گا، مثلاً عقد مضاربہ کا ذکر کمپنیوں کے تحت میں ملے گا، اس لئے کہ دراصل مضاربۃ بھی ایک عقد شرکت ہے جس میں ایک فریق کا راس المال ہوتا ہے، دوسرے فریق کی محنت اور عمل۔

اسی طرح کی ایک قانونی کوشش، اسی طرح کی ایک وسیع اسلامی سلطنت میں (جو نسلی طور پر بھی آل عثمان سے کچھ زیادہ دور نہ تھی) تین صدی پہلے کی گئی، میری مراد سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی فقہ کی تدوین جدید کی اس کوشش سے ہے جو ہندوستان میں فتاوی عالمگیری اور اسلامی ممالک میں "الفتاوی الهندية" کے نام سے معروف ہے اور جس سے آخر آخر دور تک مصر وشام جیسے ملکوں میں بھی بڑا استفادہ کیا گیا، سلطان دین پناہ (نور اللہ مرقدہ) نے اس کے لئے اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء وفقہاء کی ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔

مصنف "الثقافة الاسلامية فى الهند" اس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''فتاوی عالمگیری جسے ''فتاوی ہندیہ'' کہا جاتا ہے، کثرت مسائل، سہل طرز نگارش اور پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے کے لئے نہایت مفید کتاب ہے، مصر وشام اور بلاد عرب میں یہ فتاوی ہندیہ کے نام سے مشہور ہے،

> اس کی چھ بڑی بڑی جلدیں ہیں، جنھیں ہدایہ کی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے اور نوادر سے قطع نظر کر کے صرف ''ظاہر الروایات'' پر اکتفا کی گئی ہے، لیکن جس مسئلہ میں ظاہر الروایۃ نہ مل سکی اس میں نادر روایتوں کی علامت فتویٰ کے تحت بے کم وکاست صاحب عبارت کے حوالہ کے ساتھ اصل عبارت نقل کر دی ہے، فقہائے احناف کی مدد سے اس جمع وتدوین کا کام سلطان اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی عہد سلطنت میں شیخ نظام الدین برہان پوری کے سپرد کیا تھا اور دو لاکھ روپے اس پر صرف کئے تھے۔
>
> مؤلف مذکور نے ۲۴ ممتاز ہندوستانی علماء کے نام گنائے ہیں، جنھوں نے فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں حصہ لیا، ان میں سے چار علماء یہ ہیں: قاضی محمد حسین جونپوری محتسب، شیخ علی اکبر حسینی، اسعد اللہ خانی، شیخ حامد ابن ابو حامد جونپوری اور مفتی محمد اکرم حنفی لاہوری، ان چاروں علماء نے تدوین کے کام کی مل کر نگرانی کی''۔

دولت عثمانیہ کے اس قانونی مجموعے کا نام جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے "مجلة الأحكام الشرعية" ہے، جس کو عموماً "المجلة" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مصر میں نپولین بوناپارٹ کے ۱۷۹۸ء حملہ کے بعد ہی سے ''پرسنل لا'' "الأحوال الشخصية" کے دائرہ کے علاوہ شہری زندگی کے تمام دائروں میں فرانسیسی قانون کو اختیار کر لیا گیا تھا۔ مصر وعراق اور دولت عثمانیہ کی دوسری ماتحت ریاستوں میں "مجلة الاحكام الشرعية" پر عمل ہوتا رہا۔ شام میں ۱۸/ مارچ ۱۹۴۹ء تک مجلّہ ہی پر عمل تھا۔ حسنی زعیم کی حکومت میں جس نے شام میں پہلا فوجی انقلاب کیا تھا اس وقت کے وزیر قانون اسعد کورانی کے مشورے سے (جنھوں نے حوصلہ مند زعیم انقلاب اور فوجی ڈکٹیٹر کو یہ باور کرایا کہ ملک کے قانون کی تبدیلی اور مغربی قوانین کا اختیار کرنا ان کو تاریخ میں بقائے دوام بخشے گا اور وہ عرب ملک

میں کمال اتاترک کا مقام حاصل کرلیں گے)،اسلامی قانون کا (جس کی مجلّہ نمائندگی کرتا تھا)الغاء ہوا،اور مغربی قانون سول لا ملک کا قانون قرار دیا گیا اور ایک گردش قلم سے صدیوں کا پرانا قانون جو ملک وقوم کے مزاج،عقائد،روایات اور تمدن سے ہم آہنگ تھا کالعدم قرار پا گیا،عراق میں بھی اس قانون پر کئی انقلابات آئے ،مجلّہ پر عمل درآمد اگرچہ وہاں بھی عرصے سے موقوف تھا لیکن مشرق وسطیٰ کے مشہور ماہر قانون عبدالرزاق السنہوری کے بقول جو مشرق وسطیٰ کی وحدت قوانین کمیٹی کے صدر تھے۔عراق کا سول قانون اپنے اندر زیادہ سے زیادہ اسلامی عنصر رکھتا ہے۔عراق کے ڈکٹیٹر عبدالکریم قاسم نے تو اپنے مختصر عہد حکومت میں ''احوال شخصیہ'' (پرسنل لا) کے اندر بھی ترمیم واصلاح کا کام شروع کردیا تھا اور لڑکے اور لڑکی کا حصہ ترکہ میں مساوی قرار دیا تھا لیکن جدید انقلاب کے بعد یہ ترمیم ختم کردی گئی۔اس وقت مملکت سعودیہ کے علاوہ کہیں بھی اسلامی سول قانون نافذ نہیں ہے۔مملکت سعودیہ (جہاں بہت حد تک اسلامی حدود وتعزیرات بھی نافذ ہیں) نے ثابت کردیا ہے کہ اس کا نظام عدالت کہیں زیادہ سادہ،مختصر،عملی اور مقاصد قانون سازی کی تکمیل کا زیادہ ضامن اور امن ونظام قائم رکھنے میں زیادہ کامیاب ہے۔

اسلامی ممالک میں صرف پاکستان میں جس کی بنیاد اسلام کے نام پر رکھی گئی ہے اور اس کے بانیوں نے اس کو اسلامی طریق حیات کی ایک نئی تجربہ گاہ اور معمل قرار دیا تھا۔ قانون کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کا آغاز کیا گیا۔مرحوم نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اسلامی قانون کی تشکیل جدید کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جس کے صدر مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور جس کے ارکان میں ملک کے مشہور عالم وفقیہ مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ تھے،لیکن حکومتوں کی تبدیلیوں، پاکستان کے بڑھتے ہوئے تجدد ومغربیت کے رجحانات اور حکومت پاکستان کے غیر واضح اور مبہم مقاصد اور تذبذب کی وجہ سے یہ کام ادھورا رہ گیا۔ملک کے تمام قانون عدالت کو اسلامی بنانے کے بجائے وہاں اب مسلمہ مسلم پرسنل لا کے اندر تصرف وترمیم کا کام شروع ہوگیا۔۱۹۶۱ء میں مسلم فیملی لا آرڈیننس

Muslim Family Law Ordinanes کے نام سے ایک قانون کا اجرا ہوا جس میں تعدد ازدواج، مرد کے لئے طلاق کی آزادی اور دوسرے بعض اختیارات و آزادیوں پر پابندی عائد کی گئیں اور نصوص صریحہ اور قوانین مسلمہ میں ایسی مداخلت کی نظیر قائم کی گئی جو غیر اسلامی ممالک کے لئے بھی ایک نئے فتنے کا باعث بن سکتی ہے۔

اب ان ممالک میں مسلم پرسنل لا یا قانون احوال شخصیہ کی کیفیت ،نفاذ اور ارتقاء کا جائزہ لیجئے جہاں یہ قانون زیادہ صحیح شکل میں نافذ ہے،سلطنت عثمانیہ کے قلمرو میں اس قانون کی اساس تمام تر مذہب حنفی تھا اور اس کی تفریعات وتفصیلات میں سراسر اسی مذہب پر دارومدار تھا،لیکن ۸/محرم ۱۳۳۶ھ کو "قانون حقوق العائلة" (فیملی لا) کے نام سے ایک آرڈیننس یا ایک ترمیم کا اجرا ہوا،اس قانون کی رو سے متعدد مسائل میں ضرورت کے احساس کی بناء پر مذہب حنفی سے عدول کیا گیا اور دوسرے مذاہب کے احکام پر عمل کیا گیا تھا ،مثلاً شوہر کی بدمعاملگی اور بدسلوکی کی بنا پر زوجین کے درمیان تفریق کا جواز،عورت کو ایسی حالت میں فسخ نکاح کا اختیار دینا کہ شوہر میں کسی مرض مزمن مثلاً جنون، جذام اور سل کا طبی ثبوت حاصل ہوجائے ،ایسے مفقود الخبر کی بیوی کو نکاح کی اجازت جو معتدل حالات میں چار سال تک اور جنگ کی حالت میں ایک سال تک غائب رہے، وغیرہ وغیرہ،لیکن اس ترمیم وقانون کے نفاذ کے بعد بھی قانون پر نظر ثانی کی ضرورت، جدید تقاضوں کی رعایت، اور نئی مشکلات کے مداوا کی ضرورت باقی رہی اور وسیع النظر علماء کو اس کی ضرورت محسوس ہوتی رہی کہ مسلمان خاندانوں کی بہترین تنظیم،تعلقات کی خوشگواری، معاشرہ کی خوشگواری اور بدلتے ہوئے زمانے کی ضروریات پورا کرنے کے لئے مذاہب اربعہ اور مختلف فقہی مکاتب فکر سے استفادہ کا دائرہ وسیع ہونا چاہئے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے مصر میں نئے حالات وضروریات کو پورا کرنے کے لئے مذہب حنفی کے علاوہ دوسرے مذاہب سے استفادہ کا فیصلہ کیا گیا،اس کی تحریک سب سے پہلے ۱۹۱۵ء میں ہوئی اور مذاہب اربعہ کے ممتاز ترین علماء اور نمائندوں کی ایک کمیٹی کی

تشکیل عمل میں آئی، اوراس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ احوال شخصیہ (پرسنل لا) کا ایک ایسا مجموعہ قوانین مرتب کرے جس کی بنیاد مذاہب اربعہ پر ہو۔ کمیٹی نے اپنا کام مکمل کرلیا، لیکن جب اس کو علماء اور ماہرین قانون کے سامنے لانے کا وقت آیا، تو اس کی ایسی شدت سے مخالفت ہوئی کہ اس کو تہہ کرکے رکھ دینا مناسب معلوم ہوا، اس کے بعد ۱۹۲۰ء میں پھر ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی جس کے ارکان میں شیخ الازہر، مالکیوں کے سب سے بڑے عالم شیخ المالکیہ، مصر کی سب سے بڑی شرعی عدالت "المحكمة العليا الشرعية" کے صدر، مصر کے سرکاری مفتی اعظم (مفتی الدیار المصریہ) اور دوسرے علماء تھے، اس کمیٹی کا کام محدود تھا، اس کو صرف بعض مسائل احوال شخصیہ کے بارے میں جن میں مذہب حنفی کے (جو مصر کا سرکاری قانون تھا) پابند رہنے سے بعض دقتیں پیدا ہوتی تھیں، قانون مرتب کرنا تھا، اس کمیٹی کی سفارشات پر ۱۹۲۰ء میں قانون ۲۵ جاری ہوا، وہ حسب ذیل اصلاحات و ترمیمات پر مشتمل تھا:

(الف) نفقۂ زوجیت وعدت کو اس وقت سے دین اور واجب الاداء شمار کیا جائے گا جب سے شوہر نے اس سے دست کشی اختیار کی، خواہ اس سلسلے میں کوئی عدالتی فیصلہ یا آپس کا سمجھوتہ نہ ہو، اسی طرح سے اس شخص کی زوجہ کے لئے جو نفقہ دینے سے قاصر رہا ہے طلاق طلب کرنے کی اجازت ہوگی، اور ایک مہینہ کی تاجیل کے بعد اس کو طلاق ہوجائے گی، اس طرح سے جس کو نفقہ دینے سے انکار ہو اس کی زوجہ کو اور مفقود الخبر کی زوجہ کو ایسی حالت میں بغیر کسی مہلت وتأجیل کے طلاق ہوجائے گی کہ زوج کے پاس کوئی قائم مالیت نہ ہو۔

(ب) زوجہ کو تفریق کے مطالبہ کا حق ہوگا، اگر وہ اپنے زوج میں کوئی ایسا مستقل عیب محسوس کرے جس سے یا تو صحت یابی ممکن نہ ہو، یا طویل مدت کے بعد ممکن ہو۔

(ج) مفقود الخبر میت کے حکم میں شمار کیا جائے گا اور یہ حکم زواج کے ساتھ محدود ہوگا، بشرطیکہ وہ ۴/سال تک واپس نہ آجائے۔ ایسی حالت میں زوجہ وہ عدت پوری کرے گی جو شوہر کی وفات پر کرتی ہے اور اس کو اس مدت کے گذر جانے کے بعد دوسرے مرد سے

شادی کرنے کا حق ہوگا۔

یہ اس قانون مذکور کی اہم ترمیمات تھیں جو تمام تر مذہب مالکی سے ماخوذ ہیں۔

پھر ۱۹۲۹ء میں دوسرا قانون نمبری ۱۵ اصادر ہوا جس میں بعض جدید تر میمات تھیں، زیادہ اہم ترمیمات حسب ذیل ہیں:

(الف) سکران اور مکرہ کی طلاق اور وہ طلاق جس کو فقہ کی اصطلاح میں طلاق غیر المنجز کہتے ہیں معتبر نہ ہوگا، جبکہ اس کا مقصود کسی چیز کے کرنے یا کسی فعل کے ترک پر مجبور کرنا ہو۔

(ب) ایک سے زائد طلاق لفظاً یا اشارۃً ایک ہی واقع ہوگی۔

(ج) طلاق کے کنایات سے طلاق اسی وقت واقع ہوگی جب نیت متحقق ہو۔

(د) ہر طلاق رجعی شمار ہوگی، سوائے اس طلاق کے جو دو رجعی طلاقوں کے بعد واقع ہو اور اس سے تین کا عدد پورا ہوتا ہو اور سوائے اس طلاق کے جو خلوت صحیحہ سے پہلے دی جائے۔ اسی طرح وہ طلاق جو مال کے ساتھ مشروط ہو (الطلاق علی مال) اسی طرح سے طلاق کی وہ صورتیں مستثنیٰ ہوں گی اور وہ طلاق بائن شمار ہوں گی جن کے بائن ہونے کی اس قانون میں اور قانون سابق نمبری ۲۵ بابت ۱۹۲۰ء میں تصریح ہے۔

(ہ) ضرر اور ناموافقت اور مخاصمت ہونے پر زوجین میں تفریق جائز ہوگی۔

(و) شوہر کے ایک سال یا اس سے زائد مسلسل مفقود الخبر رہنے پر تفریق ہوسکے گی، اسی طرح جس مرد کو تین سال یا اس سے زائد مدت کی سزائے قید ہوجائے اس کی زوجہ کو بھی تفریق کا حق ہوگا۔

اسی طرح سے اس قانون میں دعوائے نسب، مطالبۂ نفقہ، حق عدت ومہر، حضانت کی مدت اور مفقود الخبر کی مدت کے بارے میں کچھ دوسری دفعات بھی ہیں جن کی تفصیل عالم جلیل پروفیسر عبدالوہاب خلاف کی فاضلانہ کتاب "أحكام الاحوال الشخصية" کے صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۶ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

۱۹۴۲ء میں احکام میراث کا نیا قانون نمبری ۷۷ صادر ہوا، پھر ۱۹۴۶ء میں بعض

احکام وقف کی تنظیم جدید کے لئے قانون ۴۸ء اور قانون ۴۹ء صادر ہوا جو وصیت کے تمام قوانین واحکام پر مشتمل ہے، اس وقت تک مصر میں (ہمارے علم میں) پرسنل لا کا کوئی ایسا مکمل قانون نہیں بنا جو تمام مسائل واحکام پر حاوی ہو، اس حیثیت سے یہ کام سب سے پہلے سوریہ میں ہوا۔ اور سب سے پہلے یہ قدم شام کی وزارت قانون نے اٹھایا۔

اس نے ۲۳/اکتوبر ۱۹۴۵ء میں محکمہ قانون کے ایک لائق رکن استاذ علی طنطاوی کو (جو اس وقت دومہ دمشق کے قاضی شرعی تھے اور اب عدالت عالیہ محکمۃ التمیز کے مستشار ہیں) قانون احوال شخصیہ (پرسنل لا) پر نظر ثانی کرنے اور رپورٹ پیش کرنے کا کام سپرد کیا، اگلے سال ۳/دسمبر ۱۹۴۶ء کو وزارت قانون نے صاحب موصوف کو مصر کے قوانین اور اس کا مطالعہ کرنے کے لئے کہ مصر میں ''احوال شخصیہ'' اور قانون میراث ووصیت میں کیا تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں، مصر بھیجا، استاذ علی طنطاوی نے مصر میں ایک سال رہ کر مسئلے کا مطالعہ کیا، اس کے بعد اپنی سفارشات اور ریمارکس پیش کئے۔ ۲۳/جولائی ۱۹۴۹ء کو وزارت قانون نے ماہرین فن کی ایک کمیٹی مقرر کی، جو ان سفارشات پر غور کرے، دوسال بعد ۱۹۵۱ء میں اس کام کی تکمیل اور اس کو آخری قانونی شکل دینے کے لئے ایک دوسری کمیٹی کا تقرر کیا۔ اس کمیٹی نے اپنا کام مکمل کرلیا اور احوال شخصیہ کا ایک ترمیم شدہ قانون وزارت قانون کے سامنے پیش کیا، لیکن دمشق کے بہت سے علماء نے اس نئی قانونی شکل کے خلاف احتجاج کیا جس میں مذہب حنفی سے کئی جگہ عدول کیا گیا تھا، اس احتجاج ومخالفت کے نتیجہ میں دوسال تک اس کا نفاذ ملتوی رہا، بالآخر ۷/ستمبر ۱۹۵۲ء کو اس کا اجراء ہوا اور وہ حکومت سوریہ کا قانون احوال شخصیہ قرار دیا گیا۔

لبنان میں قدیم اسلامی قانون پر اب بھی عمل ہورہا ہے، جو ترکی سلطنت کے دور میں حقوق العائلة (فیملی لا) کے نام سے صادر ہوا تھا جس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔ اس ملک میں ابھی تک کوئی نیا پرسنل لا نہیں بنا، چند سال ہوئے بعض انجمنوں اور بعض حلقوں کی طرف سے پرزور طریقے پر مطالبہ کیا گیا تھا کہ احوال شخصیہ کا ایک ایسا قانون مرتب کیا

جائے جس میں وحدت ہو اور جو ملک کے تمام فرقوں پر یکساں نافذ ہو، لیکن مسیحی کلیسا اور علماء اسلام کے مشترک احتجاج ومخالفت کی بنا پر یہ تحریک ختم ہوگئی اور حکومت نے کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں سمجھا۔

عراق میں جہاں سنی اور شیعہ دو بڑے فرقے پائے جاتے ہیں، ۱۹۴۵ء میں وزارت قانون نے ایک قانون کا اجراء کیا تھا جس کا نام ''لائحة الأحوال الشخصية'' تھا، وہ دراصل عراق کے قانون مدنی کا محض ایک ضمیمہ اور تکملہ تھا، اور وہ احوال شخصیہ سے متعلق تمام احکام پر مشتمل بھی نہیں تھا، اس میں اس کی تصریح تھی کہ شیعہ عدالتوں میں مذہب جعفری کے احکام پر عمل کیا جائے گا۔ یہ قانون درحقیقت اس قانون احوال شخصیہ کا اختصار تھا جس کو مرحوم قدری پاشا نے سلطنت عثمانیہ کے دور میں مرتب کیا تھا اور جو تمام تر مذہب حنفی سے ماخوذ ہے۔ عراق کے متعلق تفصیلات معلوم کرنے کے لئے استاذ حسین علی اعظمی کی کتاب ''الاحوال الشخصية'' کے پہلے حصے کے مقدمے کا مطالعہ مفید ہوگا۔

جہاں تک شام کا تعلق ہے جہاں سب سے زیادہ سنجیدہ اور ذمہ دارانہ طریقہ پر نظر ثانی کا کام انجام پایا اور وہاں سب سے زیادہ مکمل ومرتب قانون احوال شخصیہ نافذ ہے، ان قانونی تفصیلات وترمیمات کے معلوم کرنے کے لئے شام کے مشہور فاضل اور دینی رہنما ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی پروفیسر قانون احوال شخصیہ دمشق یونیورسٹی کی فاضلانہ کتاب ''شرح قانون الاحوال الشخصية'' (ص ۱-۲-۳) کا مطالعہ مفید ہوگا۔

مجھے اس کے اظہار میں مسرت ہے کہ اس مقالہ کی بیشتر معلومات اسی کتاب کے حصہ اول کے مقدمہ اور اپنے دوسرے فاضل دوست الاستاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء استاذ حقوق مدنیہ وشریعت اسلامیہ لاء کالج دمشق وسابق وزیر قانون حکومت شام کی قابل فخر کتاب ''المدخل الفقهي العام'' کے حصہ اول کے مقدمہ سے ماخوذ ہے۔

حضرات!

ہندوستان کے ''مسلم پرسنل لا'' پر غور اور نظر ثانی کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس

کا جائزہ لے لیا جائے کہ دوسرے مسلم ممالک میں اس سلسلہ میں اس وقت تک کیا کیا کام کیا گیا ہے اور کس طرز پر کیا گیا ہے، اگر ضرورت ہو تو ان علمی کاوشوں اور اس علمی ذخیرے سے جو ان ملکوں میں مہیا ہو گیا ہے مناسب طریقہ پر فائدہ اٹھایا جائے، یہ بات اس لئے بھی ضروری تھی کہ خوش قسمتی سے ابھی مصر و شام میں چند اہم علمی ادارے اور دینی مرکز موجود ہیں، جہاں تک علمی شخصیتوں کا تعلق ہے مصر میں علامہ محمد ابوزہرہ کی نہایت اہم و جلیل القدر علمی شخصیت ہے جو نہ صرف اپنی وسعت نظر میں خاص امتیاز رکھتے ہیں بلکہ علمی و دینی استقامت میں بھی پایۂ بلند رکھتے ہیں، انھوں نے متعدد مواقع پر مصر کے حدود سے تجاوز کرنے والے متجددانہ رجحانات اور شیخ الازہر کی جیسی مرکزی شخصیت کے بعض علمی آراء اور ''اجتہادات'' کا بڑی پامردی اور دلیری سے مقابلہ کیا، ان کی فاضلانہ کتاب ''الاحوال الشخصیہ'' ہمارے لئے خاص طور پر قابل استفادہ ہے۔

شام میں ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، استاذ مصطفیٰ الزرقاء اور ڈاکٹر معروف الدوالیبی کی شخصیت بڑی نمایاں اور ممتاز ہے، ان کا وسیع علم، قدیم و جدید سے واقفیت اور دماغی توازن ہمارے لئے مشعل راہ بن سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں جو بھی کام کیا جائے گا اس میں ہم اپنے ان نامور معاصر علماء کے مفید مشوروں اور مخلصانہ محنتوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

اس علمی وسعت نظر اور وسعت قلب کے ساتھ جو ہمارا دینی فریضہ اور علماء سلف کی روایت و وراثت ہے، ہم اس حقیقت کا بھی برملا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے کوئی مسلم ملک قطعی و کلی طور پر واجب الاتباع اور واجب التقلید نہیں، اور نہ کسی ملک کے جدید رجحانات، نئے قوانین اور حکومت کے فیصلے ہمارے اوپر حجت بن سکتے ہیں۔ ماسوا اس بات کے کہ یہ کوئی شرعی اور فقہی دلیل نہیں، قانون اسلامی کے مآخذ اور اس کی بنیادیں کتاب و سنت، اجماع و قیاس عالمگیر و دائمی ماخذ ہیں، اور انھیں کی روشنی میں اس زمانہ میں کام ہوا ہے اور آئندہ کام ہوگا اور ماسوا اس بات کے کہ ایک مسلمان پر کسی دوسرے مسلمان کا عمل یا رجحان حجت نہیں بن سکتا، حجت صرف اللہ کی کتاب، اس کے رسول کی سنت صحیحہ

اور استنباط مسائل کے وہ ماخذ اور سرچشمے ہیں جن پر کسی ملک یا قوم کی اجارہ داری نہیں ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ کی زبان سے نکلا ہوا یہ فقرہ اب بھی فضا میں گونج رہا ہے اور قیامت تک گونجتا رہے گا کہ "ائتونی بشئی من کتاب اللہ و سنۃ رسولہ حتی أقول بہ"۔

ماسوائے ان سب حقائق کے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خود ہندوستان اپنی ایک مستقل و منفرد علمی و دینی شخصیت رکھتا ہے۔ عالم اسلام کی دینی و علمی تاریخ میں اس کا اپنا ایک مقام رہا ہے، جب سارے عالم اسلام پر فکری اضمحلال و علمی انحطاط کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور کوئی ایسی شخصیت وہاں نہیں پیدا ہو رہی تھی جو متوسط علمی سطح سے بلند ہو، اور کوئی مجتہدانہ فکر یا نئی علمی تحقیق پیش کر سکے تو ہندوستان نے ایسے باکمال اور مجتہد الفکر علماء و مصنف پیدا کئے جن کے علمی تفرد اور مجتہدانہ قابلیت کا سکہ عرب و عجم نے مان لیا اور علمی و تدریسی حلقے عرصہ تک ان کی کتابوں اور ان کے متون کی شروح سے گونجتے رہے۔ علامہ محمود جونپوریؒ، ملا محبّ اللہ بہاریؒ، مولانا عبدالعلی بحرالعلومؒ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نام خاص طور پر لئے جا سکتے ہیں، عصر حاضر میں بھی مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاریؒ اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ جیسے فقیہ النفس عالم پیدا کئے جو اس اہم کام کی تکمیل کے لئے نہایت موزوں تھے، پھر اس سب کے ماسوا ہندوستان نے دینی استقامت، فکری توازن اور رسوخ فی العلم کا ایسا ثبوت دیا کہ وہ دوسرے عرب اور اسلامی ممالک کے لئے ایک قابل تقلید مثال بن گیا، اور آج بھی عرب اور قدیم اسلامی ممالک کے اہل علم و اہل فکر ہندوستان کی طرف عظمت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بہت سے مسائل میں اس سے دینی و علمی رہنمائی کے طالب ہوتے ہیں، اس لئے کسی ایسے مسئلہ میں جس میں غلط تجدد، مغربی افکار و اقدار سے مرعوبیت، قانون سازی میں سطحیت و عجلت صاف جھلکتی ہو اور شرعی اصول اس کی تائید نہ کرتے ہوں، ہمارے لئے کسی بڑے سے بڑے مسلمان یا عرب ملک کا کوئی فعل یا قانون حجت نہیں بن سکتا، اگر سارا

عالم اسلام کسی غلط چیز پر اتفاق کرلے اور سارے مسلمان ممالک اور وہاں کے علماء کوئی غلط فیصلہ کریں یا اپنے حدود سے تجاوز کریں تو بھی ہم ہندوستانی مسلمان، شریعت اسلامی کو اپنے سینے سے لگائے رکھنے اور خدا کے قانون کو آخری قانون سمجھتے رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں، اور اگر خدانخواستہ سارا عالم اسلام بھی دین وشریعت سے انحراف کرے تو بھی کسی چھوٹی سے چھوٹی اقلیت کے لئے بھی یہ انحراف حجت اور وجہ جواز نہیں ہوگا۔ لیکن خدا کا شکر ہے سوائے ترکی کے کہیں بھی مجموعی طور پر انحراف نہیں کیا گیا ہے۔ تیونس اور پاکستان میں البتہ بعض ایسی تبدیلیاں زیر بحث ہیں جو بڑے دوررس نتائج واثرات رکھتی ہیں اور ان میں سے بعض نصوص صریحہ اور اجماع وتواتر کے خلاف ہیں، اس لئے اس سلسلے میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مسلم ممالک کا نام بار بار لینا بے سود اور بے محل ہے اور ہم اس ذہنیت کو بہت غلط سمجھتے ہیں کہ ان ممالک کا نام لے کر ہندوستان میں اصلاح قانون شخصی اور تجدد کی دعوت دی جائے۔

دوسرے ہم پوری قوت کے ساتھ اس بات کو بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ کام تنہا ماہرین فن، اصحاب اختصاص اور ان علماء کرام کا ہے جو ہر قسم کے دباؤ اور نفوذ سے آزاد ہیں، اور ہر غلط رجحان اور خام خیالی سے محفوظ ہیں، یہ کام خالص علمی انداز پر آزادانہ فضا میں اور پورے اخلاص، سنجیدگی وگہرائی، غور وفکر، مشورے وتعاون کے ساتھ ہونا چاہئے اور درحقیقت اس مجلس کا انعقاد اسی راہ کا پہلا قدم ہے، خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی علمی ودینی ذمہ داریاں اچھے طریقے پر ادا کریں اور قبل اس کے کہ یہ کام غلط طریقہ پر ہو، ہم صحیح طریقے پر انجام دینے کے توفیق پائیں۔

حضرات!

مسلم پرسنل لا کے مسئلہ کے ماسوا جس پر غور کرنے کی اور اس کی تکمیل اور تدوین جدید کی ضرورت اپنی جگہ پر ہے، بہت سے ایسے مسائل ہیں جو جدید تمدن، نئی علمی ترقیات، جدید معاشیات، اور عالمی نظام اقتصاد وتجارت نے پیدا کر دیئے ہیں اور مسلمانوں کا وہ طبقہ جس کو ان مسائل سے واسطہ پڑ رہا ہے اور وہ دینی ذہن واحساس رکھتا ہے یا دینی تعلیمات

واحکام کے مطابق زندگی گزارنا چاہتا ہے، شدت سے ان کے بارے میں علماء کی رہنمائی کا منتظر اور بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا ہے کہ ان کے بارے میں شریعت کا حکم معلوم کرے، درحقیقت یہ کام بہت پہلے ہو جانا چاہئے تھا، اور ان مسائل پر اجتماعی طور پر غور ہونا چاہئے تھا، مجھے اپنے فاضل دوست استاذ مصطفیٰ الزرقاء کی اس رائے سے بالکل اتفاق ہے کہ اس زمانہ میں انفرادی اجتہاد اور شخصی اظہار رائے بہت خطرناک ہے اور اس سے بڑے انتشار اور نئے نئے فتنوں کا اندیشہ ہے۔ ان مسائل پر مستند ومحتاط علماء کو اجتماعی طور پر غور کرنا چاہئے اور اجتماعی طور پر اپنا فیصلہ دینا چاہئے، ان میں سے بہت سے مسائل ہیں جو مدت دراز سے پیش ہیں اور مسلمان مختلف طریقوں پر ان پر عمل کر رہے ہیں لیکن ابھی تک عالم اسلام کے علماء نے اجتماعی طور پر ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا، نہ کسی ایسی تعداد میں علماء نے متفقہ طور پر اظہار رائے کیا، جس سے کسی مسلمان کو اطمینان قلب اور یہ اعتماد حاصل ہو کہ یہ فیصلہ قابل عمل اور موجب اطمینان ہے۔ نیا بینک سسٹم، کمپنیوں کے قوانین، حکومتوں کے پرائیوڈ نڈ فنڈ، انشورنس، تنسیخ زمینداری، تحدید ملکیت، تامیم (Nationalisation) اور ایسے کئی مسائل تقریباً ہر ملک میں درپیش ہیں، پھر جدید وسائل سفر اور ان کی رفتار کی سرعت نے عبادات وفرائض کے متعلق کئی نئے مسائل پیدا کر دئے ہیں، ان سب میں علماء وفقہاء امت کے فوری غور وفکر اور زیادہ سے زیادہ حد تک اجتماعی فیصلے کی ضرورت ہے۔

بہت عرصے کے انتظار کے بعد اور بڑی غیر مناسب تاخیر کے ساتھ ہم نے ندوۃ العلماء میں اس سلسلے کے آغاز کا ارادہ کیا، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کام کے لئے یہاں مختلف سہولتیں مہیا ہیں۔ دوسرے یہ کام شروع سے ندوۃ العلماء کے بالغ نظر بانیوں کے پیش نظر تھا اور اس کے سالانہ اجلاسوں اور تقریروں میں وقتاً فوقتاً اس کا اظہار ہوتا رہا، ۱۹۲۶ء کے اجلاس کانپور میں صدر اجلاس مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم نے اپنے فاضلانہ خطبۂ صدارت میں خاص طور پر ان ضرورت کا اظہار کیا اور ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور رہنماؤں کو اس کی طرف توجہ دلائی، حکیم صاحب نے فرمایا:

''مسلمانوں کے ہاتھ میں علم فقہ ایک ایسا مضبوط اور اعلیٰ قانون ہے کہ ان واجب الاحترام ہستیوں کی جنھوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا، ہر ایک غور کرنے والا انسان دل سے عزت اور قدر کرسکتا ہے، لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ جزئیات فقہ میں زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے وہ حضرات علماء کرام مناسب تبدیلیاں کرسکتے ہیں جن کا علم وفضل انھیں اس قسم کے تغیرات کی اجازت دے سکتا ہے''۔

ان خصوصیتوں کے پیش نظر ہم نے سردست دارالعلوم ندوۃ العلماء کو اس کا مرکز بنایا ہے اور ایک مستقل تحقیقی شعبہ کی حیثیت سے یا جدید اصطلاح میں ایک علمی اکیڈیمی کے طور پر اس کام کو شروع کرنے کا ارادہ ہے، یہاں بیٹھ کر آسانی کے ساتھ نہ صرف ہندوستان کے اکابر اہل علم سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے بلکہ مصر وشام وعراق کے فضلاء سے بھی رابطہ قائم کرکے ان کا تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے، خوش قسمتی سے ہم کو اس کام کو شروع کرنے اور اس کو علمی انداز میں جاری رکھنے کے لئے ایک ایسے فاضل کا تعاون حاصل ہوگیا ہے جنھوں نے اس سلسلے میں خاص طور سے غور کیا اور اس سلسلہ میں کچھ عرصے سے کام بھی کررہے ہیں، میری مراد مولانا محمد تقی صاحب امینی سے ہے جو اس وقت ہماری مجلس میں شریک ہیں اور ہمیں امید ہے کہ ہم کو اس کام کے لئے ان کی رفاقت حاصل رہے گی اور ہم ان کی علمی وذہنی صلاحیتوں اور ان کے مطالعہ وتجربات سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ خدا اس کام کو بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچائے اور ہم کو ہر قسم کی بے اعتدالیوں، شرور نفس اور انحراف وتحریف سے محفوظ رکھے اور جادۂ شریعت پر استقامت کے ساتھ قائم رکھے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك أنت الوهاب۔

(ماہنامہ الفرقان، ستمبر ۱۹۶۳ء)

تدوین فقہ کی تاریخ

اور موجودہ حالات کا جائزہ

مولانا محمد تقی امینیؒ

حضرات علماء کرام!

جس کام کے لئے ہم اس وقت جمع ہوئے ہیں وہ ایک طرف تو انتہائی اہم ونازک ہے اور دوسری طرف مختلف وجوہ کی بناء پر اس سے ہماری طبیعتیں غیر مانوس بن چکی ہیں۔

ایسی حالت میں مناسب یہ معلوم ہوا کہ تدوین فقہ کی تاریخ سے متعلق کچھ ''یاددہانیاں'' کرادی جائیں تاکہ طبعی انقباض دور ہو اور شرعی انبساط کے ساتھ کام کا ابتدائی خاکہ ونقشہ بہ سہولت مرتب ہوسکے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں فقہ سے متعلق جملہ امور آپ کی ذات مبارک سے وابستہ تھے، نہ فقہ کی باقاعدہ ترتیب وتدوین تھی اور ضروریات زندگی کے محدود ہونے کی وجہ سے نہ اس کی ضرورت واقع ہوئی تھی۔ ایک صالح اور سادہ اجتماعی زندگی کے جو مسائل ومصالح ہوسکتے ہیں بس وہ تھے اور انھیں کے مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں کی وضاحت پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات محدود تھیں۔

لیکن یہ تعلیمات عموماً اصولی اور دستوری رنگ میں تھیں، جنھیں بنیاد بنا کر ''قانون'' کی عمارت تیار کی جاتی ہے اور بعض جزئیات کی تشریحات ایسی تھیں جو بڑی حد تک حالت وزمانہ کے تقاضہ پر مبنی تھیں، مثلاً:

(۱) وہ جزئی احکام جو کسی عارضی مصلحت یا سیاست پر مبنی تھے۔

(۲) وہ احکام جو طریقۂ کار سے متعلق ہوتے ہیں اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ

بدلتے رہتے ہیں۔ جیسے جنگ کے طریقے اور حکومت کے شعبوں کی ترتیب وغیرہ۔

(۳) وہ امور جنھیں شخصی وقومی اور ملکی عادات ورواج کے مطابق اختیار کیا گیا تھا۔

(۴) وہ باتیں جو عرب میں بطور قصہ مشہور تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے بھی وہ تفنن طبع یا کسی اخلاقی نتیجہ کے لحاظ سے بیان فرمائی تھیں۔

(۵) عربوں کے بعض تجربات، علاج، زراعت وباغبانی وغیرہ سے متعلق جو چیزیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھیں، ایک ''فقیہ'' کے لئے ان دونوں قسم کی تعلیمات وتشریحات میں نظر امتیاز ضروری ہے، ورنہ اسلامی قانون کی وہ عملی استعداد ختم ہوجائے گی جو اس کو ضروریات زندگی سے ہم آہنگ بناتی اور حالات وزمانہ کے تقاضہ کے مطابق ڈھالتی رہتی ہے۔

اس زمانہ میں فقہ کے صرف دو ماخذ تھے (۱) قرآن حکیم (۲) تشریحات نبویؐ، ان دونوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے قانون کو منضبط ومدون کرنے کا پورا خاکہ تیار فرمادیا تھا اور ''نمونہ'' کے لئے ایک ایسی جماعت وجود میں آگئی تھی جو قانون کے اتار چڑھاؤ اور نوک پلک سے بخوبی واقف تھی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پہلی جیسی سادہ اجتماعی زندگی نہ باقی رہ سکی تھی بلکہ فتوحات کی کثرت اور مختلف تمدنی زندگی سے سابقہ کی وجہ سے نئے نئے اجتماعی مسائل ابھر آئے تھے جس کی بناء پر جو مجموعہ موجود اور سینوں میں محفوظ تھا اس کو اس حد تک وسیع کرنے کی ضرورت ہوئی کہ موجودہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کسی اور جگہ سے استفادہ کی حاجت نہ رہے۔

چنانچہ اس زمانہ میں مذکورہ ضرورت کے پیش نظر مسائل حل کرنے لئے دو ماخذ (۱) اجماع اور (۲) رائے کا اضافہ ہوا۔ ان دونوں سے کام لینے کی ترغیب قرآن حکیم اور تشریحات نبویؐ میں موجود تھی۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابۂ کرامؓ ہی دین الٰہی کے اصل محافظ وامین تھے اور

رہتی دنیا تک ان کے عمل سے استفادہ خود نبوت کے نقشہ میں داخل تھا، اس بناء پر ان حضرات نے اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے فقہ کو وسیع کرنے کی راہیں کھولیں اور بعد والوں کے لئے بہت کچھ سرمایہ جمع کردیا۔

''اجماع'' کو منظم شکل دینے کے لئے صاحب صلاحیت افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بن گئی تھی، جب قرآن حکیم اور تشریحات میں کسی نئے مسئلہ کا صراحۃً حل نہ موجود ہوتا تو وہ اس ''کمیٹی'' کے سپرد ہوتا تھا اور جو کچھ یہ ''کمیٹی'' فیصلہ کردیتی وہ قانون کا درجہ حاصل کرکے قابل عمل بنتا تھا۔

''رائے'' کے استعمال کے لئے قواعد وضوابط بعد میں منضبط ہوئے ہیں، اب تک ''رائے'' کا استعمال مقاصد ہدایت اور اصول دین کے تحت ہوتا تھا اور جو ''رائے'' آزادانہ استعمال کی جاتی اور اس کی وجہ سے کسی اصولی کلیہ پر زد پڑتی تو اس پر سخت نکیر کی جاتی تھی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان دونوں ''ماخذ'' کے ذریعہ جو ضرورت پیش آتی یا جو مسئلہ حل طلب ہوتا بس اسی کو طے فرمالیتے تھے، نظری مسائل اور بعد میں پیش آنے والے واقعات ومسائل کی طرف توجہ کرنے کی انھیں فرصت نہ تھی، گوناگوں مصلحتوں کے لحاظ سے اسلامی ضرورتیں اس قدر وسیع ہوگئی تھیں کہ ان پر قابو پالینا ہی اہم کارنامہ تھا۔

موجودہ فقہ کی ترتیب وتدوین کا ''مسالہ'' صغار صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں تیار ہوا ہے، اس بناء پر اس کو ترتیب وتدوین کا تاسیسی دور کہنا زیادہ مناسب ہے۔ صورت یہ ہوئی کہ ''ماہرین قانون'' اسلامی کاز کو آگے بڑھانے کی غرض سے مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیل گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار فرمائی تھی۔ ان حضرات کی تعلیم وتربیت سے وہاں تابعینؒ کی ایک جماعت تیار ہوئی جو صحابۂ کرام کے بعد صحیح معنوں میں ان کی جانشین ثابت ہوئی اور قانونی صلاحیت کے لحاظ سے وہ اہل عرب کے مقابلہ میں کم نہ تھی۔ بلکہ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ فقہ اور روایت میں عجم کا حصہ عرب سے زیادہ ہے۔

صحابہؓ نے اس جماعت کی طرف رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال ہی نہیں منتقل کئے تھے بلکہ وہ زندگی بھی منتقل کی تھی جو رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت سے انھیں حاصل ہوئی تھی اور وہ امور ومسائل بھی ان کے گوش گذار کئے تھے جن سے صحابہؓ کو نیا نیا سابقہ پڑا تھا۔

اس طرح عجمی ممالک کے لوگوں کو اسلامی قانون سمجھنے، اس کا تجزیہ کرنے اور نئے انداز سے سوچنے کے کافی مواقع فراہم ہوگئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان عجمی ممالک میں بیرونی اثرات کافی تھے، مختلف تمدن اور مختلف مکتبۂ فکر کے لوگ موجود تھے جس کی بناء پر گوناگوں احوال ومسائل سے فقہ کو دوچار ہونا پڑا، جن کو حل کئے بغیر اسلامی نظام چلانا اور اس کا وقار برقرار رکھنا تقریباً ناممکن تھا۔

ان نئے احوال ومسائل کے دباؤ کی وجہ سے ''رائے'' کے استعمال کو منضبط اور مدون شکل دی گئی، نیز موجودہ قوانین کے علل واسباب کا سراغ لگا کر ایک طرف تو سابقہ مسائل کی شیرازہ بندی کی گئی اور دوسری طرف نئے مسائل کے حل کے لئے راستہ تلاش کیا گیا۔ چنانچہ اس زمانہ میں قانونی ماخذ قیاس، استحسان اور استصلاح وغیرہ کا اضافہ کر کے فقہ کو ضروریات زندگی کے مطابق بنایا گیا۔

یہ زمانہ ۱۴۱ھ سے دوسری صدی ہجری کی ابتداء تک شمار ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد تمدن کی وسعت اور مختلف الاحوال معاشرہ سے معاملہ کی وجہ سے مزید نئی نئی ضرورتیں پیش آئیں اور نئے نئے مسائل ابھر آئے۔ نیز علمی حرکت اور یونانی علوم وفنون کے رواج پا جانے کی وجہ سے خیالات میں وسعت ہوئی اور مختلف ماحول وتمدن کی نیرنگیوں کو جذب کرنے کا حوصلہ بڑھا، چارو ناچار فقہ کو اور وسیع کر کے باقاعدہ مدون کرنے کی ضرورت پڑی۔

چنانچہ اس زمانہ میں مختلف قانونی مآخذ سے کام لیا گیا، جن کا ثبوت قرآن حکیم اور تشریحات نبوی کے عمومی اور اصولی مفہوم میں موجود تھا، غرض اس طرح مختلف مراحل سے گذر کر فقہ کی تدوین کا اہم کام تکمیل کو پہونچا۔(۱)

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر''

چونکہ یہ زمانہ خیالات میں وسعت اور مختلف ماحول وتمدن کی ''نیرنگیوں'' کو جذب کرنے کا تھا، اس بناء پر لازمی طور سے فقہ عملی اور واقعی نہ رہا کہ جو واقعات وحالات پیش آتے بس انھیں کے متعلق احکام ومسائل بیان کئے جاتے بلکہ پیش آنے سے پہلے بہت سے حالات وواقعات فرض کر کے ان سے متعلق احکام ومسائل بیان کئے جانے لگے، جس سے فقہ نہایت وسیع وضخیم بن گیا اور اس کے بعد مدتوں اس میں کسی قسم کی ترمیم واضافہ کی ضرورت نہ سمجھی گئی، لیکن اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ مذکورہ طریق سے بعد کے لوگوں میں سہل پسندی اور عافیت کوشی کی روح سرایت کر گئی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کے موجودہ حالات ومسائل کا حل تلاش کرنے میں ہی ہمیں انقباض ہو رہا ہے، جب کہ ہمارے بزرگوں نے موجودہ کے علاوہ آئندہ کے بہت سے حالات وواقعات فرض کر کے ان سے متعلق احکام ومسائل بیان کئے تھے۔

تدوین فقہ کی مذکورہ تاریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عصری رجحانات ومعاشرتی احوال کو فقہ کی وسعت وترقی میں کافی دخل رہا ہے۔ جیسی جیسی ضرورتیں پیدا ہوتی گئیں فقہ چارو ناچار وسیع ہوتا گیا، زندگی کو تنگ نہیں بنایا گیا بلکہ اس کی وسعتوں کو ضروری اور جائز حد تک فقہ میں سمیٹنے اور نئے حالات ومعاملات میں صحیح زاویۂ نگاہ دینے کی کوشش کی گئی۔

یہ سارے امور بتدریج اس بناء پر انجام پائے کہ انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں کا دامن اس قدر وسیع اور متنوع ہے کہ ان کو یکبارگی سمیٹنا نہایت مشکل ہے، ضرورتوں اور مصلحتوں کی بنیاد پہلے پڑتی ہے پھر انھیں منظم شکل دینے کے لئے قاعدہ وقانون مقرر کئے جاتے ہیں، نہ یکبارگی ساری ضرورتیں وجود میں آتی ہیں اور نہ دفعتہً ان کی تنظیم کی جاسکتی ہے۔ جب زندگی خود اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے تغیر پذیر ہے تو اس کی تنظیم وتہذیب کرنے والے قوانین کیوں کر تغیر پذیر نہ ہوں گے؟ اور اس کے بغیر وہ زندگی سے صحیح ربط کیونکر قائم رکھ سکیں گے؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ اور سابقہ (تدوین فقہ کا زمانہ)

حالات میں کافی فرق ہوگیا ہے اور یورپ کی ''نشأۃ ثانیہ'' کا زندگی کے بہت سے گوشوں پر جو اثر پڑا ہے اور اس نے فنی ضرورتیں اور نئے مسائل پیدا کئے ہیں ان پر قابو پائے اور ان کو صحیح زاویۂ نگاہ عطا کئے بغیر اسلام کے قانونی وقار کو برقرار رکھنا تقریباً ناممکن بن گیا ہے۔ پھر بہت سی سماجی خرابیوں کے فروغ پانے کی وجہ سے بعض احکام کے موقع ومحل میں تبدیلی ناگزیر بن گئی ہے اور حالات ومصالح کے بدل جانے کی وجہ سے بعض احکام پر عمل درآمد سے ان کا اصل مقصد فوت ہورہا ہے، ان تمام امور میں غور وفکر کرکے فقہ کے معاشرتی وسماجی پہلو کو ضروریات زندگی سے ہم آہنگ بنانے اور زندگی وقانون میں صحیح ربط پیدا کرنے کی ضرورت ہے ورنہ زمانہ کا ''مفتی'' بہت سے مسائل کو مہمل قرار دے دے گا اور نئے مسائل میں اپنا رنگ بھر کر لوگوں کو عمل کے لئے مجبور کرے گا اور اس طرح تکمیل ہدایت کی بات بیکار ہوکر رہ جائے گی جیسا کہ موجودہ دور میں ہماری غفلت اور سہولت پسندی کی وجہ سے اس کا مشاہدہ ہورہا ہے۔

ان تمام امور میں غور وخوض کرتے وقت چند باتیں پیش نظر ہونا ضروری ہیں:

(۱) ہر دور میں توجہ اور نظر ثانی کے مستحق وہ مسائل ہوتے ہیں جن کے بغیر معاشرتی نظام چل نہیں سکتا ہے؟ یا چل تو سکتا ہے لیکن قومی وملی ضرر کا واقعی اندیشہ ہوتا ہے اور معاشرہ واجتماع کی نمو بخش فضا پر اثر پڑتا ہے۔

فقہ میں اس قسم کے جو اجتماعی مسائل موجود ہیں اور حال کی ضروریات کے مطابق نہیں ہیں یا حالات کی تبدیلی کی وجہ سے معاشرہ کو جن مسائل کی ضرورت ہوگئی ہے اور فقہ میں موجود نہیں ہیں، ایسے تمام مسائل بتدریج غور وفکر کے مستحق قرار پائیں گے۔

(۲) نئے قانون کا وجود یا موجودہ قانون میں نظر ثانی کا سوال قومی وملی زندگی کے شدید احساس اور اس کے تقاضہ کی بناء پر ہوتا ہے۔ نہ ساری ضرورتیں بیک وقت پیدا ہوتی ہیں اور نہ ہر جگہ کی ضرورتیں یکساں ہوتی ہیں، اس لئے انھیں مسائل میں از سر نو غور وفکر کی نوبت آئے گی جن کی قوم وملت کو واقعی ضرورت ہوگی اور ان کے حل نہ ہونے سے زندگی میں خلاء محسوس ہوگا۔

(۳) مذہبی قانون کے ثبات واستحکام کے لئے عظمت وتقدس کی حفاظت نہایت ضروری ہے۔ عظمت سے دلوں میں قانون کا وقار واحترام برقرار رہتا ہے اور تقدس سے قانون میں خاص قسم کی شان دلربائی اور جاذبیت محسوس ہوتی ہے، اس بناء پر ایسی کوئی بات قابل قبول نہ ہوگی جس سے ان دونوں پر کسی طرح زد پڑنے کا اندیشہ ہے۔

مذکورہ اہم کام کی انجام دہی کے لئے تنہا ایک شخص کی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے بلکہ صاحب صلاحیت افراد پر مشتمل ایک مجلس کی ضرورت ہے جو زیر بحث مسائل میں ضابطہ کے مطابق غور کرکے انکا حل تلاش کرلے۔

اس مجلس کو اونچے پیمانہ پر نہ اجتہاد کی ضروت ہوگی اور نہ کوئی نئی راہ نکالنے کی اجازت ہوگی البتہ اخذ واستفادہ کے باب میں یہ مجلس وسعت سے کام لے گی، نہ تو بالکلیہ آزاد وخود رائے ہوگی اور نہ وقت ضرورت دوسرے امام سے استفادہ کو حرام جانے گی بلکہ ہر مسئلہ کو دلیل وبصیرت کی روشنی میں سمجھ کر قبول کرے گی اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی۔

اسی طرح مختلف اقوال میں جب ترجیحی صورت نکالنے کی ضرورت ہوگی تو حالات ومقامات کی مناسبت سے مقررہ قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دے گی۔

اگر کسی مسئلہ میں نص صریح یا تعلیل صحیح متقدمین سے نہ ملے گی تو تحقیق وتلاش کرکے مسئلہ کو دلیل سے آراستہ کرے گی اور اس بات کا مکلّف اپنے آپ کو نہ جانے گی کہ مسئلہ میں پہلے کی کہی ہوئی ہر بات کی تقلید کی جائے خواہ اطمینان قلبی حاصل ہو یا نہ ہو اور موجودہ حالت کے وہ مطابق ہو یا نہ ہو۔

ایسے ہی جب نئی صورت درپیش ہوگی اور اس کا حل نکالنے کی ضرورت ہوگی یا حالات ومقامات کی تبدیلی سے موجودہ مسئلہ میں تبدیلی ناگزیر ہوگی تو یہ مجلس وہی طرز عمل اختیار کرے گی جس کا ثبوت متقدمین کے یہاں موجود ہے مثلاً پہلے زیر بحث مسئلہ کی روح اور مقصد سمجھنے کی کوشش کرے گی پھر اس پر غور کرے گی کہ معاشرتی حالت اور سماجی زندگی میں

کس حد تک یہ اثر انداز ہے؟ اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کے ذریعہ کس قسم کی مصلحت کا حصول اور مضرت کا دفعیہ ہوسکتا ہے؟

ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد حل طلب مسئلہ کو اس کے مناسبت سے متعلق کر کے نظائر تلاش کرے گی اور پھر اس کی روح اور مقصد کو سامنے رکھ کر مقررہ قاعدہ کے مطابق بالترتیب قرآن وسنت اور اجماع وقیاس سے زیر بحث مسئلہ کا تعلق جوڑے گی۔

اس طریق کار کے اختیار کرنے سے بعض صورتیں ایسی ہوں گی جن کا حل آسان ہوگا صرف اصول وکلیات اور ضرورت ومصلحت میں صحیح تطبیق سے ان کا حل نکل آئے گا اور بعض میں دشواری پیش آئے گی اور ایسی حالت میں اختلاف ائمہ سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہوگی لیکن ہر حال میں روح اور مقصد سامنے ہوگا اور فقہی ضابطہ سے انحراف جائز نہ ہوگا ورنہ شریعت ہوا وہوس اور سہل پسندی کا ''بازیچہ'' بن کر رہ جائے گی۔

مجلس کو اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے فقہی مواد سے جس قسم کے استفادہ کی ضرورت ہوگی وہ یہ ہیں:

(۱) قرآنی احکام کے موقع ومحل کی تعیین میں سیرت نبویؐ اور عہد صحابہؓ سے استفادہ۔

(۲) ''حدیث'' کے سلسلہ میں روایت ودرایت دونوں سے کام لینا۔

(۳) اجماعی مسائل کے انداز اور ان کے نوک پلک کو سمجھنا۔

(۴) قیاس میں حکمت وعلت کے امتیاز کو برقرار رکھنا اور استنباط مسائل میں ہر ایک کے کردار سے واقف ہونا۔

(۵) قانونی مآخذ استحسان، استصلاح اور استدلال سے مسائل کے استنباط میں اس امر کو ملحوظ رکھنا کہ متقدمین نے ان سے کس وقت کام لیا اور کن اسباب کی بناء پر یہ ماخذ قرار پائے؟

(۶) تعامل اور عرف ورواج کو استعمال کرنے کے لئے فقہاء کے طریقہ اور ضابطہ کو ملحوظ رکھنا۔

(۷) ملکی قانون (جن سے کسی کلی اصول پر زد نہ پڑتی ہو) سے استفادہ میں اس

وسعت وفراخی اور طریق کار کو ملحوظ رکھنا جو صحابۂ کرامؓ نے مختلف ممالک کے قوانین کے باب میں اختیار کیا تھا۔

(۸) فقہی اصول وکلیات سے استدلال میں فقہاء کے طرز عمل کو رہبر بنانا۔

(۹) فقہی احکام میں تخفیف وسہولت کے اسباب کو برمحل منطبق کرنا۔

(۱۰) اختلاف فقہاء کے اسباب پر گہری نظر رکھنا اور حالات کا صحیح تجزیہ کر کے ان سے فائدہ اٹھانا۔

مجموعی حیثیت سے ہی سب امور اس قدر وسیع اور جامع ہیں کہ ان کی مدد سے موجودہ حالات وتقاضوں کے مناسب بہترین کام انجام پاسکتا ہے۔ فقہاء کرام نے فقہ پر کام کرنے کے لئے کافی مواد فراہم کر دیا ہے۔ اصول اور ضابطے مقرر کئے ہیں۔ انداز اور طریقہ بتایا ہے، کام کر کے دکھایا ہے اور کرتے رہنے کے لئے جیسی صلاحیت درکار ہے اس کی نہایت تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ہے اس سے زیادہ ہماری محرومی اور بے بصری کیا ہوگی کہ اس ذخیرہ سے فائدہ اٹھانے کو ہم جرم سمجھیں یا خود فریبی میں مبتلاء ہو کر اس کی اہمیت نہ محسوس کریں۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ندوۃ العلماء جیسے کسی علمی مرکز میں ایک فقہی وتحقیقی مجلس کا اہتمام ہو رہا ہے، ورنہ ۲۶ر جولائی ۶۳ء کے ''صدق جدید'' میں پڑھا ہوگا کہ کچھ انتظار کے بعد اپنی بساط کے مطابق ایسی فقہی مجلس کے انتظام کا ارادہ تھا۔

محترم مدیر ''صدق جدید'' کے رہنما نوٹ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؔ کی پرخلوص محبت ودردبھری دعوت نے یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ کام کا جو محل ومقام ہو وہیں کرنے سے اس میں رعنائی ودلکشی پیدا ہوتی ہے۔

یہ بتادینا ضروری ہے کہ ہماری اس مجلس کا اصل کام جدید مدنی مسائل کا حل دریافت کر کے فقہ کی جدید تدوین ہے اس سلسلہ میں وہ بتدریج قدم اٹھائے گی اور انگیز وسموائی کی کیفیت کا جائزہ لے کر موجودہ اور نئے پیدا شدہ مسائل میں انھیں کو مرکز توجہ بنائے گی جن

کی واقعی معاشرہ کوضرورت ہوگی اور جن کوحل کئے بغیر قومی وملی ضرر کا اندیشہ ہوگا یا معاشرہ کی نمونجش فضاء پر اثر پڑتا ہوگا۔

دراصل قومی وجماعتی زندگی کا وہ ''موڑ'' نہایت نازک ہوتا ہے جب اس کوایک مقام سے ہٹا کر دوسرے مقام پر لایا جاتا ہے اگر اس میں دوسرے مقام کو جذب اور انگیز کرنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوتی ہے اور پہلے سے بھی وہ اکھڑ چکی ہے تو نتیجہ لازمی طور سے ذہنی طوائف الملوکی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی تو یہ ''موڑ'' اس قدر سخت ہوتا ہے کہ بنیادی عقائد ونظریات تک سے بدظنی عام ہوجاتی ہے اس بناء پر جو قدم بھی اس راہ میں اٹھایا جائے گا وہ بہت محتاط اور قومی ذہن کوملحوظ رکھ کر اٹھایا جائے گا۔

مجلس یہ کبھی نہ کرے گی کہ مخالف محاذ کے پیدا کئے ہوئے انسانیت سوز مسائل کا حل تلاش کرے اور خاطر خواہ حل نہ ملنے کی صورت میں فقہ کو قابل گردن زدنی قرار دے کر آزادی وبیبا کی کی وہی راہ اختیار کرے جو تجدد پسند افراد اور مرعوب ذہن ومسحور دماغ کا شیوہ ہے۔ اور نہ مجلس یہ کرے گی کہ مسائل کا حل تلاش کرنے میں تشدد وتقشّف کے اس طریقہ کواپنائے جس کی وجہ سے فقہ جامد وساکت بن گیا ہے اور زمانہ کے ''مفتی'' کو یہ کہنے کا موقع مل رہا ہے کہ موجودہ فقہ ضروریات زندگی سے ہم آہنگ نہیں ہے بلکہ وہ ہر مرحلہ اور ہر موقف پر توازن واعتدال کی راہ اختیار کرے گی اور اللہ کے روبرو جواب دہی کے قصور کو سامنے رکھ کر مسائل کا حل نکالے گی، بس اللہ ہی پر بھروسہ ہے اور وہی ہماری بصیرت کی کمی کو اپنی خاص مدد سے پورا کر کے حق کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك أنت الوهاب ،

واخردعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

(ماہنامہ الفرقان، اکتوبر ۱۹۶۳ء)

☆☆☆☆

مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی دیگر مطبوعات

۱۔ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے دو اہم فیصلے

مرتب: مولانا محمد اسحٰق سندیلوی ندویؒ

۲۔ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء: مختصر تعارف اور تشکیل نو کا خاکہ

مولف: مولانا منور سلطان ندوی